رفیع اللہ

محمد عبدہٗ اور احیائے ادب

مصر میں پچھلی صدی میں جو علمی و ادبی ترقی ہوئی ہے، شیخ محمد عبدہٗ بھی اس کے ایک اہم ستون ہیں۔ ان کا پورا نام محمد عبدہٗ بن حسن خیر اللہ ہے۔ احمد حسن الزیات نے ان کا سن پیدائش ۱۲۶۶ھ (۱۸۴۹ء) قرار دیا ہے جو عام طور پر صحیح تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان کا مولد ضلع البحیرہ کا ایک صحرائی گاؤں البحیرہ بتلایا جاتا ہے۔ جہاں انھوں نے عام دیہاتیوں کی طرح پرورش پائی تھی۔ بہت سی خصوصیات جو شیخ عبدہٗ کی زندگی میں نمایاں ہوئیں وہ دیہاتی ماحول میں پرورش پانے کی بہترین شاہد تھیں۔ چنانچہ عوام کی ضروریات کا احساس اور قوم کی حالت سدھارنے کا ولولہ دراصل ان کی ابتدائی دیہاتی زندگی ہی کا اثر تھا۔

محمد عبدہٗ نے گاؤں کی مسجد میں قرآن مجید پڑھا اور مزید علم کے حصول کے لیے ان کو جامع احمدی اور بعد میں ازہر شریف بھیجا گیا۔ جامع احمدی شہر طنطا کی بڑی مسجد تھی۔ وہاں انھوں نے قرآن مجید حفظ کیا، اور فن قرأت و تجوید میں پوری مہارت حاصل کی۔ لیکن جب صرف نحو پڑھنے کی باری آئی تو وہ بہت گھبرائے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک تو طرز تعلیم بہت ہی فرسودہ تھا، اور دوسرے اساتذہ بھی محنت سے نہیں پڑھاتے تھے جس کی وجہ سے عام بچے تو کجا محمد عبدہٗ جیسے ذہین طلبہ کے لیے بھی ان کو اچھی طرح سمجھنا بڑا مشکل کام تھا۔ چنانچہ وہ اس سے بہت گھبرائے اور وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور پڑھائی سے تنگ آکر ایک کسان کی زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کیا۔

بعد میں ان کو علم کی مٹھاس کا کچھ اندازہ ہوا تو اس کے حصول کی کڑواہٹ کو برداشت

کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس غلط طریقۂ تعلیم نے محمد عبدہٗ کے ذہن پر بڑا دیرپا اثر ڈالا تھا اور جب کبھی ان کو کوئی موقع ملا انھوں نے اس کی اصلاح کے لیے کوشش کی۔ چنانچہ وہ اپنی خود نوشت سوانح عمری میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ جامع احمدی کے طریقۂ تعلیم کا یہ پہلا اثر تھا جو میں نے محسوس کیا۔ اور یہی وہ طریقۂ تعلیم ہے جو ازھر شریف میں بھی رائج ہے۔ اس طریقۂ تعلیم کا انداز یہ ہے کہ معلّم جو کچھ جانتا ہے اور جو کچھ نہیں جانتا، بولتا چلا جاتا ہے اور شاگرد اور اس کی قابلیتِ فہم کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ نہ سمجھنے والے طالب علم یہ خیال کر کے اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں کہ وہ کچھ نہ کچھ ضرور سمجھتے ہیں اور اس لیے وہ اپنی تعلیم جاری رکھتے ہیں۔

جامع احمدی میں اپنی تعلیم کی تکمیل کے بعد محمد عبدہٗ ۱۸۶۶ء میں ازھر شریف میں داخل ہوئے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ان کی ذہنی صلاحیتوں کی وجہ سے بہت سے اساتذہ نے ان کی طرف خصوصی توجّہ دینی شروع کی۔ ازھر میں جو نصاب مقرر تھا وہ انھوں نے چار سال تک پڑھا۔ اور چونکہ ازھر کا طریقۂ تعلیم ان کو پسند نہیں تھا اس لیے وہ اپنا زیادہ وقت ازھر کے کتب خانہ میں گزارنے لگے۔

اسی اثنا میں یعنی ۲۲ر مارچ ۱۸۷۱ء کو مفکرِ اسلام سید جمال الدین افغانی مصر تشریف لائے۔ تمام اسلامی دنیا ان سے متعارف ہو چکی تھی۔ اس لیے ان کی آمد کی خبر پھیلتے ہی بہت سے ذہین طلبہ استفادہ کے لیے ان کے اردگرد جمع ہو گئے۔ سیّد صاحب نے بھی اس خوبی سے ان کی تربیت کی کہ یہی شاگرد آگے چل کر مصر میں تحریکِ تجدّد کے روحِ رواں بنے۔ ان تلامذہ میں سے شیخ محمد عبدہٗ نے سب سے زیادہ فیض حاصل کیا اور جب سید جمال الدین مصر سے واپس جانے لگے تو ان کے متعلق یہ فرما گئے کہ:

اِنّی خلفت فی مصر خیراً کثیراً فی علم الشیخ محمد عبدہٗ۔

(میں شیخ محمد عبدہٗ کے علم کی صورت میں مصر میں خیرِ کثیر چھوڑے جا رہا ہوں)

سیّد صاحب کے چلے جانے کے بعد شیخ عبدہٗ نے دوبارہ علم کی طرف توجّہ کی اور اس قدر

محنت کی کہ علوم عقلیہ، نقلیہ اور لسانیہ میں امام کے درجے تک پہنچ گئے۔ ۱۲۹۴ھ (۱۸۸۴ء) میں درجۃ العالمیۃ حاصل کیا اور جامع ازہر میں ادب وتاریخ پڑھانے لگے۔ ساتھ ہی دار العلوم میں بھی معلمی کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ بعد میں جب ان کو مدرسہ السنہ میں عربی زبان اور ادب کا معلم مقرر کیا گیا تب بھی وہ ازہر اور دار العلوم دونوں میں پڑھاتے رہے۔ تدریس کے دوران میں انھوں نے اس امر کی کوشش کی کہ قدیم فرسودہ طریقوں میں اصلاح وترمیم کی جائے۔ کیونکہ یہ طریقے خود ان کے ذاتی تجربوں کی بناپر ناقص ثابت ہو چکے تھے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ انھوں نے معلمی کا پیشہ صرف اسی مقصد کے لیے اختیار کیا تھا۔ معلم مقرر ہونے کے بعد شیخ عبدہٗ کو کچھ دوسرے عہدوں پر بھی کام کرنے کو کہا گیا۔ لیکن انھوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا کہ میں تو صرف معلم بننے کے لیے ہی پیدا کیا گیا ہوں۔ تعلیم وتدریس کے زمانے میں شیخ عبدہٗ نے اصلاحِ تعلیم کے مقصد کو ہمیشہ پیش نظر رکھا۔ چنانچہ عربی زبان کی اصلاح اور علوم اسلامیہ کے احیا پہ خاص توجہ کرنے لگے۔ وہ چاہتے تھے کہ مصر کی نئی نسل کو اس کام کے لیے تیار کیا جائے کیونکہ ان کا یہ خیال تھا کہ عربی زبان دینِ اسلام کی بنیاد ہے اس لیے ملّتِ اسلامیہ کے لیے جو کام بھی کیا جائے اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ عربی زبان کی اصلاح وترقی پر توجہ کی جائے۔

شیخ عبدہٗ کے زمانہ میں عربی لغت اور ادب کی حالت بڑی دگرگوں تھی۔ اور لوگ عربی زبان اور ادب کی صحیح تعلیم سے عاری ہونے کی وجہ سے سلف صالحین کے اقوال کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ چنانچہ عربی زبان کی اصلاح اور ادبی احیاء کو شیخ نے اپنی زندگی کا مشن بنا لیا تھا اور ان کو جو موقع بھی ملتا اس سے وہ اس مقصد کے لیے ضرور فائدہ اٹھاتے۔ چونکہ ان کا یہ دعویٰ تھا کہ عربی زبان دینِ اسلام کی بنیاد ہے۔ اور مسلمان اس وقت تک ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتے جب تک کہ ان کی زبان ترقی نہ کرے۔ اس لیے وہ نہ صرف علم وادب بلکہ دین کی اصلاح کے لیے بھی عربی زبان کی اصلاح اور ترقی کو ضروری سمجھتے تھے۔ شیخ عبدہٗ ۱۸۸ء کے اواخر

میں جب تونس تشریف لے گئے تو وہاں کے علماء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ہماری زبان کی اصلاح ہمارے دینی عقائد کی اصلاح کا واحد ذریعہ ہے۔ اور چونکہ مسلمان اس زبان سے بے خبر ہیں اس لیے وہ سلف صالحین کے اقوال اور دوسری بلند پایہ دینی کتابوں کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ عربی زبان کی قدیم کتابیں علم و ثقافت کے بڑے قیمتی خزائن ہیں جن کا حصول عربی زبان کی صحیح تحصیل کے سوا ممکن نہیں۔

شیخ کا یہ عقیدہ تھا کہ ازھر میں جو کتابیں پڑھائی جارہی ہیں ان سے عربی زبان و ادب کا احیاء ممکن نہیں کیونکہ یہ نصاب ان کتابوں پر مشتمل تھا جو مسلمانوں کے زمانۂ زوال کی پیداوار تھیں۔ اس لیے ان کا خیال تھا کہ عربی زبان و ادب کا احیاء تب ممکن ہے جبکہ نصاب میں ان علماء اور ائمہ کی کتابوں کو شامل کیا جائے جو اسلام کے زمانۂ عروج میں لکھی گئی تھیں۔ چنانچہ انھوں نے ان کتابوں کی شروح بھی تیار کیں۔ جو وہ عربی ادب کے احیاء کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔

اپنی وفات سے پانچ سال قبل محمد عبدہٗ نے عربی زبان کی اصلاح اور ادب کے احیاء کے لیے ایک انجمن کی بنیاد ڈالی تھی جس کا نام 'لجنۃ احیاء العلوم العربیۃ' تھا۔ اس کے پہلے صدر وہ خود منتخب ہوئے تھے۔ اس انجمن نے ادبی احیاء کے لیے بڑا کام کیا۔ شیخ عبدہٗ چونکہ ادبی احیاء کے لیے صرف انہی کتابوں کو پسند کرتے تھے جو مسلمانوں کے زمانۂ عروج میں لکھی گئی تھیں اس لیے انھوں نے ایسی کتابیں تلاش کرکے شایع کرائیں۔ علم بلاغت پر عبدالقاہر جرجانی کی دو کتابیں 'اسرار البلاغت' اور 'دلائل الاعجاز' شایع کرانا چاہتے تھے۔ لیکن مصر میں ان کا کوئی نسخہ نہ ملا تو انھوں نے اس کے قلمی نسخے دوسرے اسلامی ممالک سے حاصل کیے۔ اور پھر تحقیق اور تہذیب کے بعد انھیں شایع کرایا۔ اندلسی عالم ابن سیدا کی کتاب 'المخصص' جو عربی زبان کے متعلق ایک قیمتی سرمایہ ہے آپ کو بہت پسند تھی اور انھوں نے شیخ محمد الشنقیطی کی مدد سے اس کو بڑی تحقیق سے مرتب کرا کے سترہ جلدوں میں شایع کرایا۔

مالکی مذہب کی مشہور کتاب 'المدونہ' کی تصحیح کا کام بھی اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور چونکہ یہ کتاب

شمالی افریقہ میں تصنیف ہوئی تھی اس لیے بڑی کوشش سے وہاں کے علمی مراکز یعنی قیروان اور فیض سے اس کے نسخے حاصل کیے۔ ادبی انجمن کے قیام کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ جو لوگ ادبی احیاء کے سلسلے میں کام کر رہے ہیں ان کی مالی اور اخلاقی مدد کی جائے۔

اس زمانہ میں ملک میں مالی نظام کی اصلاح کرنے کی کوششیں کی جا رہی تھیں جن سے تعلیم یافتہ طبقہ مطمئن نہ تھا۔ کیونکہ اس طبقہ کا یہ خیال تھا کہ ان اصلاحات کے پردے میں مصری حکومت پر غیر ملکی اقتدار بڑھایا جا رہا ہے۔ شیخ عبدہٗ کا تعلق بھی اسی طبقہ سے تھا اس لیے ادبی احیاء کے ساتھ ساتھ ان کی یہ کوشش بھی جاری تھی کہ ملک کے سیاسی مستقبل کو بہتر بنایا جائے۔ حکومت ان کی سرگرمیوں کو شبہ کی نظر سے دیکھتی تھی۔ اس لیے انھیں دار العلوم اور مدرسہ السنہ کی معلمی سے برطرف کر کے اپنے گاؤں میں نظر بند کر دیا گیا۔ لیکن جب ریاض پاشا ملک میں واپس آئے تو انھوں نے محمد عبدہٗ کو حکومت کے سرکاری گزٹ "الوقائع المصریۃ" کا ایڈیٹر مقرر کر دیا۔ کام چونکہ زیادہ تھا اس لیے شیخ عبدہٗ کو چند اور ادیبوں کی خدمات حاصل کر لینے کی اجازت دی گئی اور انھوں نے زیادہ تر ان ادیبوں کی خدمات حاصل کیں جن کو سید جمال الدین افغانی نے ادب و انشاء کی تربیت دی تھی۔

محمد عبدہٗ مختلف عہدوں پر رہے لیکن انھوں نے اپنے بنیادی مقصد کو کبھی نہ چھوڑا۔ سرکاری گزٹ کے لیے رپورٹیں تیار کرنے میں عام طور پر زبان و ادب کا اتنا خیال نہیں رکھا جاتا تھا۔ لیکن شیخ عبدہٗ نے اصرار کیا کہ ان کی زبان اچھی اور ادبی معیار بلند ہونا چاہیے اور جو رپورٹیں ان کے معیار پر ٹھیک نہ اترتیں وہ ان کو قبول کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔ چنانچہ جو لوگ رپورٹیں لکھنے کے ذمہ دار تھے انھوں نے مجبور ہو کر اپنی زبان کی اصلاح کی اور ادبی استعداد بڑھانے کے لیے شبینہ اسکولوں میں داخلہ لیا جو شیخ نے اسی مقصد کے لیے جاری کیے تھے اور جہاں وہ خود بھی دوسری مصروفیتوں کے باوجود بلا معاوضہ تعلیم دیتے تھے۔ دراصل عربی زبان و ادب کی ترقی ان کی زندگی کا مشن بن گیا تھا جس کے لیے وہ ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار تھے۔

اسی دوران میں شیخ عبدہٗ کو اخبارات ورسائل کے مراقب کا عہدہ بھی سونپ دیا گیا۔ اخبارات ورسائل تو چلتے پھرتے مدرسے ہوتے ہیں اور یہ ان کے مطلب یعنی اصلاح کے لیے بہت زیادہ مفید تھے اس لیے شیخ نے یہاں بھی اپنے اختیارات سے فائدہ اٹھایا اور جرائد کے مالکوں کو تنبیہہ کی کہ وہ اپنے جرائد کا ادبی معیار بلند کریں۔ جس اخبار یا رسالے کا ادبی معیار ذرا پست ہوتا تھا اس کو فوراً نوٹس دے دیا جاتا کہ فلاں تاریخ تک بہتر عملہ ادارت کا انتظام کرو ورنہ اخبار بند کر دیا جائے گا۔ ان اقدامات سے عام اخبارات ورسائل کا ادبی معیار بھی بلند ہو گیا۔

ادبی احیاء کے لیے شیخ عبدہٗ نے 'الوقائع المصریۃ' سے ایک اور کام لیا وہ یہ کہ اس کے ساتھ ایک ادبی محکمہ بھی قائم کر دیا۔ جس میں وہ خود اور ان کے رفقاء مختلف موضوعات پر اپنی آراء کا اظہار کرتے تھے۔ یہ ادبی شعبہ عوام میں بہت جلد مقبول ہو گیا۔ شیخ کے اپنے مقالات زیادہ تر تعلیمی اصلاح کے متعلق ہوتے تھے۔

مصر میں جب اعرابی پاشا کی تحریک شروع ہوئی تو اس میں شرکت کے الزام میں شیخ عبدہٗ کو 'الوقائع المصریۃ' سے علاحدہ کر کے شام کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔ لیکن وہ جہاں بھی جاتے تعلیمی اصلاح اور ادبی احیاء کے لیے جد و جہد جاری رکھتے۔ یہاں آ کر بھی وہ مدارس میں معلم ہو گئے اور ساتھ ساتھ ان کی کتابوں کی شرحیں تیار کرنی شروع کیں جو وہ ادبی احیاء کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔ شام میں ان کا قیام چھ سال تک رہا اور انھوں نے تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ نہج البلاغۃ اور مقامات بدیع کی شروح لکھیں۔ پھر وہ سید جمال الدین افغانی کی دعوت پر پیرس تشریف لے گئے۔ اور رسالہ "عروۃ الوثقیٰ" شایع کرنا شروع کیا۔ یہ مشہور عالم رسالہ علمی، ادبی، سیاسی اور اصلاحی مضامین پر مشتمل ہوتا تھا اور اسے تمام اسلامی دنیا میں قبول عام حاصل ہوا۔ یورپ میں شیخ عبدہٗ وہاں کی تہذیب اور علوم سے بہت متاثر ہوئے اور ان سے کماحقہٗ واقفیت حاصل کرنے کے لیے فرانسیسی زبان سیکھنی شروع کی اور چند ماہ میں اس پر اچھا خاصا عبور حاصل کر لیا۔

۱۸۸۸ء میں شیخ عبدہٗ کی جلاوطنی کا حکم منسوخ ہو گیا۔ تو وہ مصر واپس تشریف لے آئے۔ یورپ میں

انھوں نے تہذیب مغرب کا مشاہدہ بڑے ذوق و شوق سے کیا تھا۔ اور اب وہ کچھ نئے اثرات بھی لے آئے تھے۔ واپسی پر اہل مصر نے ان کا بڑا احترام کیا اور حکومت نے بھی انھیں سرکاری قاضی مقرر کر دیا۔ اگرچہ شیخ تعلیمی عہدہ کے خواہاں تھے لیکن حکومت کے مصالح اس کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ شیخ کے خیالات طالب علموں میں بجلی کی طرح سرایت کر جاتے تھے اور حکومت ان کو خطرناک تصور کرتی تھی۔ تاہم انھوں نے اپنے نئے فرائض کے ساتھ ساتھ ازھر شریف کی اصلاح کی طرف بھی توجہ کی اور وہاں پر علم بیان اور تفسیر القرآن کا درس دینے لگے۔ بعد میں جب وہ مفتی مصر مقرر ہوئے تب بھی انھوں نے تعلیمی اصلاح اور علمی و ادبی ترقی کا کام جاری رکھا یہاں تک کہ ان کو سرطان کی بیماری لاحق ہو گئی۔ اور ۱۳۲۳ھ (۱۹۰۵ء) میں اسکندریہ میں وفات پائی۔

تعلیماتِ غزالی

مصنفہ مولانا محمد حنیف ندوی

امام غزالی نے اپنی بے نظیر تصنیف "احیاء" میں یہ واضح کیا ہے کہ اسلام و شریعت نے انسانی زندگی کے لیے جو لائحۂ عمل پیش کیا ہے اس کی تہہ میں کیا فلسفہ کارفرما ہے۔ یہ کتاب انہی مطالب کی آزاد اور توضیحی تلخیص ہے اور اس کے مقدمہ میں تصوّف کے رموز و نکات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے

قیمت : ۱۰ روپے

ملنے کا پتہ

سیکریٹری ادارۂ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور